حفیظ جالندھری: جدید گیت نگاری کا موجد

ڈاکٹر نثار ترابی

صدر شعبہ اردو

گورنمنٹ کالج آف کامرس، راولپنڈی

HAFEEZ JALANDHRI
POINEER OF MODERN URDU SONG WRITING

Nisar Turabi, PhD

Chairman Department of Urdu

Govt. College of Commerce, Rawalpindi

Abstract

Although song writing in Urdu language is as old as Urdu poetry itself yet it was never recognized as a literary form. Reason being, the songs were only preserved in the memories of the masses as a folk heritage. However, in the second quarter of the twentieth century, renowned Urdu poet Hafeez Jalandhry who was already famous for his extraordinary talent, style and diction inclined towards song writing and succeeded in establishing it as an independent genre of Urdu poetry. It's why he is truly called the father of modern song writing in Urdu. He not only wrote famous songs himself but also got the song writing registered as a literary form.

Keywords:

امیر خسرو، حفیظ جالندھری، بسم اللہ بیگم، گوری شنکر، نظیر اکبر آبادی، اسماعیل میرٹھی، پطرس بخاری، ڈاکٹر سلیم اختر

گیت کی تاریخ اور تعریف کیا ہے۔ان حوالوں کا جواب دنیا کی زبانوں کے آغاز سے لے کر آج تک کے ادبی سفر میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔اگر ہم صرف ہندوستان کی قدیم تاریخ کا جائزہ لیں تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ اس تاریخ کا آغاز آریاؤں کی آمد سے ہوتا ہے۔آریاؤں کی زبان سنسکرت تھی جس میں گیتوں کی موجودگی غالب ہوتی ہے۔بسم اللہ بیگم کی تحقیق کے مطابق:

> ''آریاؤں کی مذہبی کتاب وید میں جو حقیقی معنوں میں گیتوں کا مجموعہ ہے سام وید اور رگ وید ایسے گیتوں سے بھرے پڑے ہیں جو مذہبی جلسوں یگیہ اور ہون کے موقع پر انفرادی یا اجتماعی طور پر گائے جاتے تھے۔آریاؤں میں گیت گانے کا رواج کسی ثبوت کا محتاج نہیں''۔(۱)

صدیوں کا سفر طے کرنے کے بعد کرشن کا عہد آیا تو گیت کا رواج مزید بڑھ گیا۔اس عہد کی مذہبی کتاب ''سری بھگوت گیتا'' ہے۔اس نام کے معنی ہیں سری بھگوان کی تعریف میں گیتوں کا مجموعہ۔اس نام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب میں گیت ہی گیت ہوں گے۔سری کرشن کو ہندو خدا کا اوتار مانتے تھے۔ کرشن اوتار ہوتے ہوئے گیت سنتے بھی تھے اور خود بھی گا لیتے تھے۔بقول گوری شنکر:

> ''سری کرشن مالا پہنے ہوئے ان لاتعداد بنیاؤں کے گروہ کبھی آپ گاتے کبھی ان کا گانا سنتے ہوئے ادھر اُدھر گھوم کر بن کی رونق کو دوبالا کرتے تھے۔کوئی کوئی محبت سے بھرے ہوئے آہستہ آہستہ اور میٹھے سروں میں سری کرشن کے دل کو لبھانے والے گیت گانے لگتی تھی''۔(۲)

تاریخ کے اس موڑ کو پیچھے چھوڑتے ہوئے ہم اردو زبان کے آغاز کی طرف آتے ہیں۔اس مقام پر بھی گیتوں کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔حضرت امیر خسرو کی شاعری جس میں اردو کی آمیزش نظر آتی ہے گیتوں کا انداز لیے ہوئے ہے۔اس کے بعد اردو شاعری میں ایسی متعدد نظمیں موجود ہیں جنھیں اگرچہ گیت کے طور پر نہیں لکھا گیا مگر وہ گیت کا انگ اور رنگ رکھتی ہیں۔نظیر اکبرآبادی جدید نظم کے بابا آدم ہیں۔ان کی نظمیں عوامی مزاج کی عکاس ہیں جن میں سے اکثر گیتوں کا انداز رکھتی ہیں۔مگر اردو گیتوں کی اصل وہ لوک گیت ہیں جو ہندی سے اردو میں آئے۔یہی وجہ ہے کہ آج بھی گیتوں میں ہندی الفاظ کی بہتات ہوتی ہے۔ڈاکٹر سلیم اختر نے گیت کی تخلیق کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

> ''جذبہ جب رس میں تبدیل ہو جائے تو گیت جنم لیتا ہے۔جسم کی پکار جب کومل کا رنگ پکڑے تو گیت کے بولوں میں ڈھلتی ہے۔حسن برہا کی آگ میں جلے تو گیت نغمہ کے پیکر میں ڈھلتا ہے''۔(۳)

گیت میں حسن و عشق کی باتیں ہوتی ہیں۔فطرت کے مناظر، موسموں کی کیفیات اور جذبات و احساسات کی ترجمانی ہوتی ہے۔یہ ایک نرم و نازک صنف ہے جو فلسفہ یا تصوف جیسے بھاری بھرکم مضامین کی متحمل

نہیں ہوسکتی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عورتوں کی زبان میں ہوتے ہیں اور اسی سبب سے تمام زبانوں کے لوک گیت عورتوں کے تخلیق کردہ ہیں۔ عورتیں ہی انھیں گاتی تھیں اور یہ عورتوں کی آواز ہی میں اچھے لگتے تھے۔ لوک گیت سینہ بہ سینہ چلتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ان کی تخلیق بہت قدیم عہد میں ہوئی اور نئے لوک گیت وجود میں نہیں آ سکتے۔ لوک گیت بھی انسانوں کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ انسانوں کی طرح زندہ رہتے ہیں اور انسانوں کی طرف مرتے بھی ہیں۔ بے شمار لوک گیت آج موجود نہیں ہیں۔ ہمیں ان لوک گیتوں کے تخلیق کاروں کا علم نہیں مگر ان لوک گیتوں کا عکس جدید گیتوں میں نظر آتا ہے۔ جدید گیت نگاروں نے ان پرانے گیتوں کو نئی زندگی دی ہے۔ متعدد قابل ذکر گیت نگاروں نے ان کی لفظیات اور خیالات کو از سرِ نو گیتوں کا رنگ دے کر نئی فضا پیدا کی ہے۔ پھر گیتوں کی معلوم تاریخ سے یہ بھی لگتا ہے کہ بعد کے عہد میں نظیر کے بعد اسماعیل میرٹھی کی گیت نما نظمیں سامنے آئیں۔ علامہ اقبال کی نظم ''اے وادیٔ لولاک'' (۴) کو گیتوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ تاہم مذکورہ نظم لفظیات اور افکار کے لحاظ سے گیت نہیں ہے۔ برصغیر میں سینما کے رواج کے ساتھ ہی گیت نگاری ایک نئے جوش و جذبہ کے ساتھ شروع ہوئی۔ فلمی گیت عموماً تخلیقی بے ساختگی سے دور ہوتے ہیں مگر خارجی موسیقی کے ذریعے متاثر کرتے ہیں۔ اصل گیت وہ ہے جو اپنے اندر جذبات کے ساتھ موسیقی کی داخلی کیفیات رکھتا ہو۔ شاعری اور موسیقی کا امتزاج گیت کہلاتا ہے، اور اِس نوع کے گیت سوائے حفیظ جالندھری کے کسی نے نہیں لکھے۔ ان کے گیت پڑھ اور سن کر احساس ہوتا ہے کہ گیت نگاری کی ابتدا کرنے والے وہی ہیں۔ بقول شاہد احمد دہلوی:

> ''انہوں نے اردو شاعری کو ایک نئی صنف دی تھی اور یہ صنف تھی گیت کی۔ ان کی نقالی میں ہندوستان کے ہر گوشے سے گیت لکھے جانے لگے۔ گیت کی ہیئت کے عجیب و غریب تجربے کیے جانے لگے۔ ..... حفیظ صاحب ہمیں بڑے خوبصورت گیت اور بڑی حسین نظمیں دیتے رہے۔ انہوں نے گیت کے وقار کو قائم رکھا''۔ (۵)

گویا حفیظ سے پہلے اور حفیظ کے ہم عصروں میں گیت نگاری کا وہ سلیقہ نہیں تھا جو گیت کو ایک با قاعدہ ادبی صنف کے طور پر تسلیم کرواتا۔ لوک گیت جو سینہ بہ سینہ چلے آ رہے تھے، انھیں ادب میں شامل نہیں کیا جاتا تھا۔ اسی طرح بعض شاعروں کی گیت نما نظمیں بھی اس شمار میں نہیں آتی تھیں۔ حفیظ کے بعض ہم عصر شاعروں نے جو گیت لکھے وہ بھی شعریت اور غنائیت کے اعتبار سے ادبی محسوس نہیں ہوتے تھے۔ حفیظ نے پہلی مرتبہ ایسی نظمیں پیش کیں جو ایک نئی ادبی صنف کے طور پر برصغیر میں اہل علم و ادب کی نظروں کا مرکز بنیں۔ دیانت دار نقادوں اور شاعروں نے اس صنف کی پذیرائی کی اور اس صنف کے موجد حفیظ جالندھری کو خراجِ تحسین پیش کرنے میں کسی بخل سے کام نہیں لیا۔

پنڈت ہری چند اختر نے اِس صداقت کا یوں اعتراف کیا ہے:

''دنیا بھر کی زبانوں میں گیت کو ذوق و سرمستی اور سوز و گداز کا بہترین مظہر مانا گیا ہے۔ اردو شاعری میں حفیظ اس مخصوص صنف کا موجد ہے اور کامیاب موجد ہے۔ اس کے گیتوں نے اردو شاعری میں ایک نئی لذت، ایک نیا رس پیدا کر دیا ہے۔ اس کے قلم نے گیت کو وہ مقام بخشا ہے کہ اردو زبان ہمیشہ حفیظ کی احسان مند رہے گی''۔(٦)

حفیظ نے گیت کی جو روش ایجاد کی ان کے بعد آنے والے شعرا اس کی پیروی پر مجبور ہوئے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ پیروی مکمل طور پر کامیاب نہیں ہو سکی۔ حالانکہ انھوں نے گیت کے پیمانے کو محدود نہیں کیا۔ اس میں وسعت اور نئے امکانات پیدا کیے۔ حفیظ کے گیت ایک ایسا انفرادی رنگ رکھتے ہیں جو صرف انھی کا حصہ ہے۔ ترنم، سادگی، فضولیات سے گریز، رومانیت، جمالیات، کیف و سرور، سوز و ساز، معصومانہ جذبات اور حیات افروز نغمگی، ان کے گیتوں کی نمایاں خصوصیات ہیں اور یہ ساری خصوصیات فطرت کے جمالیاتی پہلوؤں کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ بقول پطرس بخاری:

''ساون رُت، گھنگور گھٹاؤں میں کھیلتی ہوئی بجلی، موروں کی جھنکار، پپیہوں کی پکار، برسات کی ٹھنڈی ہوا، اس میں لہراتے ہوئے آنچل، آنکھوں میں تمنائے دید اور فراق کے آنسو، دل کو انتظار کی دھڑکن، یہ ایک مست کیف شاعر کی وہ دنیا ہے جس میں حفیظ گاتا پھرتا ہے۔ جب اس کا دل بھر آتا ہے تو وہ آنسو بہا دیتا ہے۔ جب اس کے دل میں ایک ہوک اُٹھتی ہے تو وہ اونچے سروں میں الاپتا ہے اور سننے والوں کا کلیجہ مسل دیتا ہے''۔(٧)

پطرس نے حقیقی معنوں میں حفیظ کی گیت نگاری کی داخلی کیفیات میں رہ کر تبصرہ کیا ہے۔ حفیظ نے اگرچہ جذبات محبت کی شدت کو گیتوں کا موضوع بنایا ہے اور ان مصرعوں میں محبت میں ڈوبی ہوئی آہوں کا طوفان بھی ہے اور میٹھی میٹھی ہوک بھی ہے تاہم اداسی کا رنگ کسی بھی گیت پر غالب نہیں ہے۔ حفیظ ساز و آواز کو لفظوں کے ذریعے ہم آہنگ کرنے کا فن جانتے تھے۔ مصرعوں کی مخصوص تعداد اور ان کی فنکارانہ ترتیب اور متوازن قافیہ بندی ان کا کمالِ فن ہے۔ بسم اللہ بیگم ''جلوۂ سحر'' کے تناظر میں رقم طراز ہیں:

''ہر بند اپنی اپنی جگہ پر منفرد جذبہ ہے تاہم ہر بند دوسرے بند سے پیوست ہوتا چلا جاتا ہے اور ان بندوں میں آزاد یا اسمٰعیل کی سی محض اجزا شماری نہیں ہے اور حسنِ بصارت کے استعمال سے بڑھ کر انہوں نے حواس خمسہ کا بھی استعمال کیا ہے۔ ترنم بھی ہے، جادو بیانی بھی پھر بھی سب بند ذہن پر کوئی آخری نقش نہیں بناتے۔ ہر بند ایک نقش گر ہے لیکن اگلا بند پچھلے بند کے نقش کو مٹاتا چلا جاتا ہے اور آخر خود بھی مٹ جاتا ہے۔ گیت کی

لے اور الفاظ کے اختصار پر تلفظ کے باعث پڑھنے والا انہیں جلدی جلدی پڑھتا چلا جاتا
ہے جیسے کوئی تیز رفتار ریل میں بیٹھا ہوا ایک حسین خطۂ زمین اور دلفریب فضاؤں سے
گزرتا چلا جا رہا ہو"۔(۸)

تقریباً تمام گیتوں میں ایسی کیفیت موجود ہے لیکن ایسا ہونے کے ساتھ ساتھ بظاہر یوں بھی محسوس ہوتا ہے کہ پڑھتے ہوئے ایک بند دوسرے بند کے تاثر میں گم ہوگیا ہے مگر پڑھنے کے بعد ایک دیرپا تاثر اور ایک انمٹ نقش بھی چھوڑ جاتا ہے۔اس گیت سے اندازہ کیجیے:

کیفِ موج بے قرار چاندنی میں کوہسار
تھا بہار در بہار ہیں یہ شانِ کردگار
دیکھتا چلا گیا

شہر اور بن خموش دشت اور چمن خموش
تن خموش من خموش
سب جہاز راں خموش کشتیِ رواں خموش
بحر بے کراں خموش اور میں بھی ہاں خموش
دیکھتا چلا گیا

دور اور قریب چپ ہر طرف عجیب چپ
خوش نما مہیب چپ کائنات پر سکون
سارا خشک و تر سکوت
شور کا اثر سکوت کچھ نہیں مگر سکوت
دیکھتا چلا گیا (۹)

ہر گیت کے ہر بند کی اپنی ایک کیفیت ہے اور ہر کیفیت اپنے تاثر کو دوسرے بند میں ضم کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔اس طرح ہر بند الگ بھی ہے اور دوسرے بند میں پیوست بھی۔مصرعوں کی تعداد بھی تبدیل ہوتی جاتی ہے۔مگر اس عمل میں بھی نغمگی، ترنم اور کیفیات و تاثر کی ہم آہنگی کا احساس ملتا ہے۔حفیظ نے تقریباً ہر گیت کو نئے تجربے سے آشنا کیا ہے اور گیت سے اگلے گیت کے لیے ایک نیا تجربہ بھی اخذ کیا ---بعض گیتوں کی دھنیں پنجابی، سندھی، پشتو اور سرائیکی ہیں مگر ان میں اردو کے الفاظ کو اس طرح جڑ دیا گیا ہے جیسے سیاہ رات میں ستارے ہوں۔پنجابی کی دُھن پر ایک گیت کی بافت دیکھیے:

جی نڈھال ہے فرقت یار میں جی نڈھال ہے فرقت یار میں
جی نڈھال ہے اے مرے دوستو مجھے لے چلو ہاں مجھے لے چلو

یا نشاط میں یا شالامار میں جی نڈھال ہے فرقتِ یار میں
عندلیب کے نغمے فضول سے رنگِ زخم عیاں پھول پھول سے
ہیں خزاں کے طریق بہار میں جی نڈھال ہے فرقت یار میں (۱۰)

حفیظ نے جہاں گیت کو ایک ادبی صنف کے طور پر متعارف کروایا وہاں ایک طرزِ خاص سے اسے اپنے فن، صلاحیت اور مزاج کے ساتھ مخصوص بھی کر دیا۔ مختلف انداز کے گیت ان کی طبعی تنوع کی عکاسی کرتے ہیں۔ بقول نفیس اقبال:

> ''بعض موقعوں پر بند کی تنظیم اس طرح کی گئی ہے کہ شروع اور آخر کے چند مصرعوں کے ماسوا اندر کے اشعار میں ہر شعر الگ قافیے کا حامل ہے۔ اس میں آوازوں کا اختلاف اور بھی زیادہ نمایاں ہے اور کامیابی اس بات میں ہے کہ اس اختلاف کے باوجود سارا بند نغمے کا ایک ایسا سیل رواں معلوم ہوتا ہے جس کے اندر طرح طرح کے مختلف عناصر سطح کی یکسانی اور ہمواری کے نیچے یوں دبتے چلے جاتے ہیں کہ کسی جگہ کسی ناہمواری کا گمان ہی نہیں ہوتا''۔(۱۱)

حقیقت یہ ہے کہ حفیظ کا ایک ایک گیت شاہکار ہے اور مثالیں درج کرنے کے لائق ہیں۔ ہر گیت یہ اعلان کر رہا ہے کہ میں منفرد ہوں اور میرا شاعر حفیظ بھی منفرد ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) بسم اللہ بیگم، اردو گیت، کراچی، مکتبہ نیا دور ۱۹۸۶ء، ص ۱۱۰
(۲) اوجھا، گوری شنکر، قرونِ وسطیٰ میں ہندوستانی تہذیب (مترجم منشی پریم چند) الہ آباد ہندوستان اکیڈمی، انڈیا، ص ۳۳۷
(۳) سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، لاہور سنگ میل پبلی کیشنز ۲۰۰۵ء، ص ۴۱۴
(۴) اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال، لاہور، علم و عرفان پبلشرز ۲۰۰۲ء، ص ۶۷۶
(۵) شاہد احمد دہلوی، بزم خوش نفساں (مرتب ڈاکٹر جمیل جالبی)، کراچی، مکتبہ اسلوب ۱۹۸۵ء، ص ۱۴۷
(۶) اختر، پنڈت ہری چند، دیباچہ شعری مجموعہ ''سوز و ساز مشمولہ''، کلیاتِ حفیظ لاہور الحمد پبلی کیشنز ۲۰۰۵ء، ص ۲۳۸
(۷) پطرس احمد شاہ بخاری، دیباچہ شعری مجموعہ ''نغمہ زار'' مشمولہ، لاہور الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، کلیات حفیظ، ص ۴۵
(۸) حفیظ جالندھری، کلیات حفیظ جالندھری، -ایضاً- ص ۶۱
(۹) بسم اللہ بیگم، اردو گیت، کراچی، مکتبہ نیا دور ۱۹۸۶ء، ص ۲۷-۳۷۱
(۱۰) حفیظ جالندھری، کلیات حفیظ جالندھری، لاہور، الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، ص ۲۷
(۱۱) نفیس اقبال، پاکستان میں اردو گیت نگاری، لاہور سنگ میل پبلی کیشنز (س۔ن)، ص ۲۰۸